R.N. No. 2100/57

Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

جلد ۲۴ - شمارہ ۲۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ جون ۱۹۶۵ء

اداریہ

یش پال اور اردو

۴ جون کے نیشنل ہیرالڈ میں شری یش پال کا ایک طویل مراسلہ ہندی اردو کے مسئلے پر شایع ہوا ہے۔ یش پال ہندی کے چوٹی کے لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں اور ہمارے ملک میں ان کی بڑی عزت ہے۔ وہ ترقی پسند خیالات رکھتے ہیں اور اُن کے افسانوں اور ناولوں میں مظلوموں کی حمایت کا جذبہ بہت نمایاں ہے وہ عام طور پر ایسی زبان لکھتے ہیں جس میں اردو کے الفاظ کثرت سے ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ بہت سے شدھ اور مصنوعی ہندی لکھنے والوں سے زیادہ مقبول ہیں۔ لیکن جب کبھی اردو زبان کو اس کا جائز حق دینے کا سوال آیا ہے، یش پال اور امرت لال ناگر دونوں نے جن کا ذاتی طور پر ہم احترام کرتے ہیں، اس کی مخالفت کی ہے۔ آیئے ذرا اس مخالفت کے اسباب پر غور کریں۔

یش پال نے پہلے بھی کہا ہے اور اس مراسلے میں بھی اس خیال کا اعادہ کیا ہے کہ وہ اردو کو ایک علیحدہ زبان نہیں سمجھتے بلکہ ہندی کا ایک اسلوب سمجھتے ہیں۔ یہ خیال شری سمپورنانند نے بھی ظاہر کیا تھا خالص لسانی نقطۂ نظر سے گریرسن اور سنیتی کمار چٹرجی دونوں نے ہندی اور اردو دونوں کی ایک بنیاد کی طرف آج سے بہت پہلے اشارہ کیا تھا، لیکن یہ بھی تسلیم کیا تھا تاریخی حالات کی وجہ سے دونوں کا ارتقا اس طرح ہوا ہے کہ اب دونوں شاخوں میں قابل قدر سرمایہ موجود ہے۔ ہمارے دستور کے آٹھویں شیڈول میں جب اردو کو علیحدہ حیثیت دی گئی تو اسی ارتقا اور موجودہ صورت کو مد نظر رکھ کر دی گئی تھی۔ یش پال یہ بات اسی وقت اٹھاتے ہیں جب اردو کو اس کا حق دینے اور اُسے سرکاری طور پر تسلیم کرنے کا سوال آتا ہے۔ وہ عرصے سے دیکھ رہے ہیں کہ ہائی اسکول سے لے کر ایم اے تک یو۔ پی میں ہندی کے کسی مستند انتخاب میں ان کے بقول اردو اسلوب کے نمونے نہیں دئیے گئے۔ میر امن، میر، غالب، نظیر انیس وغیرہ کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔ ہمیں علم نہیں کہ انھوں نے یو۔ پی بورڈ کو یا یو۔ پی کی کسی یونی ورسٹی کو اس کوتاہی کی طرف توجہ دلائی ہو یا اس کے لیے کوئی نمایاں کوشش کی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو یش پال جی سے اختلاف کے باوجود ہم کم سے کم اس کے قایل ہوتے کہ وہ ہندی والوں سے بھی اپنی بات منوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن یش پال جی تو یہ بات اسی وقت اٹھاتے ہیں جب اردو کو یو۔ پی میں اس کے حقوق دینے کا سوال اٹھتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک ایسے مطالبے کو جس کے لیے دستور سازوں نے پہلے سے دفعہ ۳۴۷ کے ذریعے سے گنجائش رکھی ہے اور جس کے متعلق ریاستوں کی تنظیم نو کی کمیٹی نے بہت کچھ لکھا ہے علیحدگی پسندی اور تقسیم کے مترادف سمجھنا کسی طرح قرین انصاف نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اردو والے یہ ہرگز نہیں کہتے کہ دس فی صدی اردو داں آبادی کی خاطر نوّے فی صدی ہندی داں آبادی پر اردو لادی جائے۔ ظاہر ہے کہ سرکاری ملازموں کی تعداد پوری آبادی کی پانچ فی صدی بھی نہ ہوگی۔ اب سرکاری ملازموں سے اگر یہ توقع کی جائے کہ وہ سرکاری زبان ہندی کے علاوہ

اس شمارے میں

اس علاقے کی ایک اہم زبان اردو سے بھی واقفیت رکھتے ہوں، تو یہ زبردستی ہرگز نہیں اور نہ ان ملازموں کے لیے جو اردو سمجھتے ضرور ہیں اور دیوناگری رسم خط کے ذریعہ سے اس کے ادب سے بھی کچھ نہ کچھ واقف ہیں، یہ کوئی مشکل بات ہے۔ آخر قومی یکجہتی کے لیے ممکن ہے کل جنوبی ہند کی کسی زبان کا سرکاری ملازمین کے لیے جاننا لازمی قرار دے دیا جائے۔ اس وقت دیکھنا ہے یش پال جی کیا کریں گے اور انگریزی جاننے کی شرط کے خلاف یش پال جی نے کون سا محاذ ویاجی کے ساتھ مل کر تیار کیا ہے۔

دراصل یش پال کا یہ کہنا کہ وہ اردو کو اس ملک کی پیداوار سمجھتے ہیں اور اس ملک کے باشندوں پر اس کا حق سمجھتے ہیں اس وقت تک کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک وہ اس کی بقا اور ترقی کے لیے کچھ تجاویز کی حمایت نہ کریں۔ یش پال جی کو یہ معلوم ہوگا کہ دستور کی دفعہ ۳۵۰ الف کے مطابق ہر بچے کا یہ حق ہے کہ اس کی مادری زبان میں اسے ابتدائی تعلیم ملے۔ مادری زبان کیا ہے۔ اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار یش پال جیسے ودوانوں کے ہاتھ میں دنیا کا کوئی سنجیدہ آدمی نہیں دے گا۔ اس کا فیصلہ بچے یا ان کے والدین کریں گے۔ اگر یش پال جی جمہوری روایات کی قدر کرتے ہیں تو وہ خواہ اسے پسند کریں یا نہ کریں بہرحال ان کو ان کے والدین کے اس فیصلے کی نہ صرف حمایت کرنی ہوگی بلکہ ان کے فیصلے کو نافذ کرانے میں مدد بھی کرنی ہوگی۔ یش پال جی کو اس کی پروا نہیں کہ اس صوبے کی دس فی صدی سے کچھ زیادہ آبادی اردو کو اپنی زبان کہتی ہے اور اسے ایک علیحدہ اور خود مختار زبان سمجھتی ہے ہندی کی شیلی نہیں۔ وہ اس دس فی صدی کے جذبات کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنی مرضی اس پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اردو رسم خط اس ملک کا نہیں۔ کیا وہ اس منطق کو آگے بڑھانے کے لیے تیار ہیں اور جو چیز یا جو خیال یا جو اوزار اس ملک کا نہیں اسے استعمال کرنے کے خلاف ہیں۔ انھیں شاید یہ معلوم نہیں کہ رسم خط کا زبان سے کوئی بنیادی تعلق نہیں، ہاں اس زبان کے بولنے والوں سے ایک جذباتی تعلق ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے اور زبان کے معاملے میں سرد اور بے روح منطق کی نہیں زندہ اور تھرتھراتے ہوئے جذبات کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ اردو دیوناگری میں بھی لکھی جا سکتی ہے، رومن میں بھی اور کسی اور رسم خط میں بھی انگریزی کو اردو رسم خط میں لکھا جائے تو وہ اردو نہ بن جائے گی۔ پھر ہندوستان میں صرف اردو کے لیے نہیں ہندی کے لیے بھی اردو رسم خط استعمال ہوا ہے جائسی کی پدماوت اور اس زمانے کی اور بھی بہت سی کتابیں اردو رسم خط میں لکھی گئی تھیں۔ اردو کی کتابیں اگر دیوناگری رسم خط میں بھی چھپیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن یش پال کو اس پر اصرار کیوں ہے کہ اردو رسم خط میں اردو کا تحفظ نہ کیا جائے۔ جب چھ سو سال سے اس کا چلن ہمارے ملک میں ہے تو یہ بھی اب ہندوستانی رسم خط ہے اور ہم نے اس میں عربی، فارسی کی آوازوں کے علاوہ ہندوستان کی زبانوں کی آوازیں بھی شامل کر لی ہیں۔ صحیح طریقہ کار یہ ہوتا کہ بجائے اردو کو ہندی کی شیلی کہنے اور اردو کی تعمیر اور چلن کے لیے ہر کوشش کی مخالفت کرنے کے، اردو کو بھی سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا اور پھر دونوں زبانوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع دیا جاتا۔ اس طرح برسوں کے بچھڑے مل سکتے تھے، مگر یش پال جی کا بتایا ہوا راستہ وصل کی طرف نہیں فصل کی طرف جاتا ہے۔ یہ جمہوریت پسندی کے خلاف ہے اس میں لسانی اقلیتوں کے لیے فرمان ہیں، ان کی دلدہی اور تسکین کا سامان نہیں۔ کاش یش پال اتنے ضدی نہ ہوتے، کاش وہ اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھتے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ اردو کے ساتھ انصاف ضروری ہے اس کے بغیر خود ہندی کی ترقی نہیں ہو سکتی کچھ ہندی والوں میں اگر یہ تنگ نظری نہ ہوتی تو جنوبی ہند والے ہندی سے اتنے بدگمان نہ ہوتے۔

اردو سے متعلق میمورنڈم صدر جمہوریہ کو پیش کر دیا گیا

نئی دہلی ۴ جون۔ آج سہ پہر چار بج کر پچاس منٹ پر کانگریسی ایم۔ ایل۔ اے جناب جمیل الرحمن قدوائی اور مولانا عبد الرؤف ایم ایل سی نے صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھاکرشنن سے ملاقات کی اور انھیں یو۔ پی اسمبلی اور کونسل کے ۲۴۰ ممبروں کا دستخطی میمورنڈم اردو کے سلسلے میں پیش کیا۔ (سیاست جدید)

پنجابی یونیورسٹی میں اردو

پٹیالہ ۲۰ مئی۔ پنجابی یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل آئندہ تعلیمی سال سے اردو میں آنرز امتحان کا اہتمام کرے گی۔ یہ فیصلہ کونسل کی میٹنگ میں کل بیان کیا گیا۔ وائس چانسلر مسٹر کرپال سنگھ نارنگ صدارت کر رہے تھے۔ (سیاست جدید)

ماہنامہ "چراغ ادب" نیلور

آندھرا میں اردو کی ترقی اور اشاعت کے لیے انجمن ترقی اردو نیلور کی جانب سے ایک ماہنامہ "چراغ ادب" کے نام سے آئندہ ماہ سے شائع ہوا کرے گا۔

(خط و کتابت کا پتہ)

ایڈیٹر ماہنامہ "چراغ ادب" بارہ دری نیلور (اے۔ پی)

نادم سیتاپوری

کچھ "گلکدۂ عزیز" کے بارے میں

۲۲ رفروری ۱۹۶۵ء کے "ہماری زبان" میں "ڈاکٹر اقبال کی ایک تنقید" کے عنوان سے جناب نند لال پروانہ نے میری بعض فروگذاشتوں کی طرف توجہ فرمائی ہے خصوصاً میرے مضمون مطالعہ (مطبوعہ ہماری زبان ۸ ردسمبر ۱۹۶۴ء) کے اس جملے سے کہ۔

"مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کا پہلا مجموعہ کلام تخمیناً چالیس سال اُدھر پہلی بار مولوی محمد صدیق نے صدیق بکڈپو لکھنؤ کی طرف سے "گلکدہ" کے نام سے شایع کیا تھا۔

جس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان تھا اس کی اصلاح کی درست کوشش کی ہے۔

جیسا کہ میں نے اپنے متذکرہ مضمون (مطالعات) میں عرض کیا ہے "گلکدہ" کا ایک ناقص الطرفین ایڈیشن عرصہ ہوا میری نظر سے گذرا تھا اور میرے مضمون کی بنیاد ہفت روزہ "الواعظ" لکھنؤ کا ایک شمارہ ۱۶ راگست ۱۹۳۲ء بھی تھا جو میرے پاس محفوظ ہے جناب نند لال پروانہ کے اس مضمون (ڈاکٹر اقبال کی ایک تنقید) سے جہاں "گلکدہ" کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کا نیا موضوع زیر بحث آگیا ہے وہاں اس مضمون کے سیاق و سباق عبارت کا روئے سخن کچھ اس انداز سے میری طرف موڑ دیا گیا ہے گویا میں نے "صدیق بک ڈپو کے اشتہار (مطبوعہ الواعظ ۱۶ راگست ۱۹۳۲ء) میں کسی قسم کی تحریف یا اضافہ کر کے" ...... "زیب داستاں" کا لطف اٹھانے کی بھی کوشش کی ہے؟

جہاں تک "گلکدہ" کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کا تعلق ہے میں اس اعتراف میں اب کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتا کہ "گلکدہ" کا وہ ایڈیشن جو صدیق بکڈپو کی طرف سے شایع ہوا تھا "گلکدہ" کا یقیناً پہلا ایڈیشن نہیں تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اب تک جن اشاعتوں کا میں پتہ لگا سکا ہوں ان میں سے کسی ایڈیشن سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کا پہلا ایڈیشن کب اور کہاں شایع ہوا تھا؟

حضرت محترم مولانا آغا اشہر لکھنوی کے کتب خانے میں سے مجھے "گلکدہ" کا ایک نسخہ دستیاب ہوا ہے جو آخر ۱۹۱۸ء یا اوائل ۱۹۱۹ء میں نولکشور پریس لکھنؤ میں چھپا تھا خوش قسمتی سے اس کا سرورق محفوظ ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

گلکدہ

بیا تا گل بیافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

(دیوان غزلیات)

جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی
باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ
نولکشور پریس لکھنؤ میں چھپا

۱۹۱۸ء

یہ ایڈیشن علاوہ سرورق کے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے آخری غزل ناقص رہی گئی ہے جس پر ۱۰ رنومبر ۱۹۱۸ء کی تاریخ پڑی ہے اس کا مطلع ہے۔

شعلۂ عشق آنچناں در رگ جانم گرفت
صد سبق از سوز دل بلبلی زد ربانم گرفت

حضرت مولانا اشہر صاحب کا ارشاد ہے کہ یہ دیوان خود عزیز نے اپنے مصارف سے چھپوایا تھا اور "گلکدہ" کا پہلا ایڈیشن یہی ہے اس سلسلے میں اشہر صاحب کے پاس عزیز کے جو خطوط محفوظ ہیں انھیں میں سے ایک خط سے موصوف کے ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے۔ ۱۸ ردسمبر ۱۹۱۸ء کے اس کارڈ میں لکھا ہے۔

مکرم دوستان۔ والا نامہ پہونچا آشفتہ کا مضمون میں (رسالہ) "خیال" میں بھیج دیا تھا وہ بھی اب تک نہیں شایع ہوا۔ ان سے کہنا بھی مصلحت کے خلاف ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ خود تقاضا فرمائیں اُن سے صرف اس قدر دریافت فرمالیں کہ آپ شایع کریں گے یا نہیں؟

اگر نہ شایع کریں تو واپس کردیں۔ افسوس وقت بہت گذر گیا۔

میرا دیوان چھپ کر تیار ہو گیا ہے کچھ حصہ باقی ہے دس پندرہ روز میں تیار ہو جائے گا قیمت عمر (ایک روپیہ) ہے۔ کیا آپ کی وساطت سے کچھ خریدار مل سکتے ہیں اگر ممکن ہو تو فہرست اسماء بھیجئے۔ ابو محمد تسلیم کہتا ہے۔

امتحان میں خدا آپ کو کامیاب کرے۔

عزیز
عزیز منزل۔ اشرف آباد لکھنؤ

۱۷ ردسمبر ۱۹۱۸ء

پتہ، سیتاپور، محلہ شیخ سرائے
بخدمت جناب مولوی منیر آغا صاحب اشہر

دام مجدہ

SITAPUR

مہر لکھنؤ 18-12-18

مہر سیتاپور 19-12-18

مندرجہ بالا حقائق وشواہد کی روشنی میں جناب نند لال پروانہ کا یہ ارشاد:

"میں عرض کرتا ہوں کہ "گلکدہ" کا پہلا ایڈیشن محمد جواد کے اہتمام سے نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا تھا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۶ء میں صدیق بکڈپو امین آباد لکھنؤ سے شایع ہوا تھا۔"

صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

میری نظر سے نظامی پریس کا ایڈیشن نہیں گذرا۔ اور نہ جناب پروانہ نے اس ایڈیشن کے سن اشاعت کی کوئی صراحت کی! جب تک کہ اس ایڈیشن کا صحیح سن اشاعت معلوم نہ ہو یہ تسلیم کرنا دشوار ہے کہ یہ ایڈیشن گلکدہ کا پہلا ایڈیشن تھا۔؟ اور یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ مرزا محمد جواد کا نظامی پریس ۱۹۱۸ء کے بہت دنوں بعد قایم ہوا تھا۔

اب رہا یہ سوال کہ "صدیق بکڈپو" نے پہلی بار "گلکدہ" کب شایع کیا؟ جناب پروانہ لکھتے ہیں۔

"واقعہ یہ ہے کہ صدیق بکڈپو والا ایڈیشن مصنف کی وفات کے سال بھر بعد شایع ہوا اور اسی کی نقل ہے جو "۱۹۴۴ء" میں شایع ہوا تھا۔ اہل مطبع نے بیان ......!"

اب اسی مضمون کی مندرجہ بالا عبارت کو اگر سطور بالا سے ربط دیا جائے تو مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور الجھ جاتا ہے

"میں عرض کرتا ہوں کہ "گلکدہ" کا پہلا ایڈیشن محمد جواد کے اہتمام سے نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا تھا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۶ء میں صدیق بکڈپو لکھنؤ سے شایع ہوا تھا۔"

دونوں عبارتوں کو ایک ساتھ ملا کر پڑھیے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صدیق بکڈپو والا ایڈیشن عزیز کی وفات ۲۶ رجولائی ۱۹۳۵ء کے ایک سال بعد ۱۹۳۶ء میں شایع ہوا تھا لیکن یہ بات، کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ۱۹۳۶ء میں شایع ہونیوالا ایڈیشن اس ایڈیشن کی نقل کیسے ہو سکتا ہے جو ۱۹۴۴ء میں چھپا؟ ۴۴ء کا ایڈیشن تو ۳۶ء ایڈیشن کی نقل ہو سکتا ہے لیکن کسی طرح ممکن نہیں کہ سات آٹھ سال بعد عالم وجود میں آنے والی ایک مطبوعہ کتاب کو اسی کتاب کا نقش اول قرار دیا جائے جو اس سے سالہا سال قبل چھپ چکی ہو۔؟

عرض کیا جا چکا ہے کہ میرے مضمون (مطالعات) کی بنیاد صرف "الواعظ" کا ایک اشتہار تھا جو ۱۹۳۲ء میں صدیق بکڈپو کی طرف سے شایع ہوا تھا۔ چونکہ اسی زمانے میں یا اس سے کچھ قبل "صدیق بکڈپو" نے عزیز کی کئی کتابیں چھاپی تھیں جن میں "عزیز اللغات" اور "صحیفہ ولا" (مجموعۂ قصائد) خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس لیے میرے حافظے نے غلطی سے "گلکدہ" کے اس ایڈیشن کو "پہلا ایڈیشن" سمجھ لیا۔ "گلکدہ" کا ایڈیشن نہ اس وقت میرے سامنے تھا اور نہ اب مجھے دستیاب ہو سکا! "صدیق بکڈپو" کے اشتہار (مطبوعہ الواعظ) میں ڈاکٹر اقبال کی جو عبارت جس طور پر چھپی تھی بجنسہٖ نقل کر دی گئی تھی یہ کہنا کہ ڈاکٹر اقبال کا یہ جملہ۔

"میں آپ کے کلام کو بہ نظر استفادہ دیکھتا ہوں"

میرے مضمون میں حذف کیا گیا۔" غلط ہے! مطبوعہ اشتہار میں یہ عبارت موجود نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ

"اور عبارت جو صدیق بکڈپو کے اشتہار سے آپ (نادم سیتاپوری) نے نقل فرمائی ہے مجھے وہ عبارت (اور لطف یہ ہے کہ ان کے ایڈیشن میں بھی بقیہ عبارت نہیں) تسلیم کرنے میں تامل ہے کیونکہ صدیق بکڈپو کو اصل خط کہاں سے ملا؟"

"صدیق بکڈپو" کے اس اشتہار سے تعلق رکھتی ہے جس کا حوالہ سطور بالا میں آچکا ہے۔ "الواعظ" کا یہ پرچہ میرے پاس محفوظ ہے اور میں پوری خود اعتمادی سے اس میں چھپے ہوئے ایک ایک لفظ کو "مطابق اصل" نقل کرنے پر وثوق رکھتا ہوں! اس اشتہار میں جو عبارت ڈاکٹر اقبال سے منسوب کی گئی ہے اس کی صحت وعدم صحت کی ذمہ داری کسی طرح بھی مجھ پر عاید نہیں کی جا سکتی اور نہ یہ سوال مجھ سے تعلق رکھتا ہے کہ صدیق بکڈپو کو اصل خط کہاں سے ملا۔؟

مندرجہ بالا سطور میں نے ختم ہی کی تھیں کہ حضرت مولانا اشہر لکھنوی کے توسط سے "صدیق بکڈپو" کا ایک ناقص الطرفین ایڈیشن بھی دیکھنے کو مل گیا۔ اور اس کے "صدیق بکڈپو ایڈیشن" ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

جناب پروانہ کا یہ ارشاد بھی صحیح نہیں ہے۔ "اور وہ عبارت جو صدیق بکڈپو کے اشتہار سے آپ (نادم سیتاپوری) نے نقل فرمائی ہے مجھے وہ عبارت (اور لطف یہ ہے کہ ان کے ایڈیشن میں بھی بقیہ عبارت نہیں) تسلیم کرنے میں تامل ہے۔" کیونکہ صدیق بک ڈپو کے شایع کردہ ایڈیشن میں صفحہ پر وہ تمام عبارت لفظ بلفظ موجود ہے جو آپ نے اشتہار (مطبوعہ الواعظ) سے نقل کی ہے۔ البتہ اشتہار میں صرف یہ جملہ نہیں ہے (جس کا ذکر جناب پروانہ نے بھی کیا ہے)

"میں آپ کے کلام کو ہمیشہ بہ نظر استفادہ دیکھتا ہوں۔"

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

غزلیں

آفتاب شمسی

دل میں طوفان اٹھا ہے تو نہ خالی جائے
شمع غم آج سر شام جلا لی جائے
شدت غم کا تقاضہ ہے کہ بات نکلے
دل کو یہ ضد کوئی تدبیر نکالی جائے
حسن آیا ہے لیے پلکوں پہ اشکوں کے چراغ
آج سوئی ہوئی تقدیر جگا لی جائے
ہائے یہ مصلحت عشق کہ کہتے ہیں کہتے
جو سنائی ہو وہی بات چھپالی جائے
جی میں آتا ہے کہ ہر در سے گریزاں ہو کر
آج دھونی ترے کوچے میں رما لی جائے

واصد بیگی

شب غم درد دل کی جس گھڑی جھنکار سنتا ہوں
مجھے محسوس ہوتا ہے صدائے یار سنتا ہوں
خدا حافظ ہے اب دیوانگان موسم گل کا
نوائے غنچہ و گل میں پیام دار سنتا ہوں
اسے اپنی ہی بربادی کا افسانہ سمجھتا ہوں
کسی شوریدہ سر کا جب میں حال زار سنتا ہوں
کمال ربط باہم فیض جذب عشق ہے یارو
کہ ہر تار نفس سے نغمۂ دلدار سنتا ہوں
حیات جاوداں انگڑائیاں لیتی ہو جیسے میں
کسی دیوانے کی آہٹ جو سوئے دار سنتا ہوں
مرے ذوق غزل گوئی کو ملتی ہے جلا واحد
کسی خوش فکر شاعر سے اگر اشعار سنتا ہوں

مختار امیری

دیدۂ پر شوق میں یہ کیسی رعنائی ہے آج
کیا تصور میں تری تصویر کھنچ آئی ہے آج
موج بادہ عصمت توبہ سے ٹکرائی ہے آج
مست نظروں نے تری کیا چیز برسائی ہے آج
جوش جینا ہی تو تھی اس سلسلے کی اک کڑی
موج بادہ جانے کیوں ساحل سے ٹکرائی ہے آج
میرے غم پر مسکرا کر اس نظر نے اے ستم
داستان عشق کی تکمیل فرمائی ہے آج

یوپی میں گھروں میں آج بھی اردو بولی جاتی ہے

مسز پنڈت کی تقریر

مونگیر ڈاک سے ۔ صوبہ بہار کے اساتذہ کی انجمن انگلش سکول کی نئی عمارت کا افتتاح اور سالانہ جلسہ کو خطاب کرنے کے لیے محترمہ وجے لکشمی پنڈت ایم پی آج صبح ۱۰ بجے یہاں تشریف لائیں ۔ ہوائی اڈہ پر شملہ کے نمائندوں کے علاوہ انجمن ترقی اردو مونگیر اور بہت سے دوسرے سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے نمائندوں نیز ہزاروں عوام نے شاندار خیر مقدم کیا ۔ ۱۰ بجے دن میں انجمن ترقی مونگیر کا ایک وفد جناب سید شاہ صاحب مشتاق احمد ایم ۔ ایل ۔ اے کی سرکردگی میں موصوفہ سے ملا ۔ انجمن کے جنرل سکریٹری جناب اظہار الحق ایڈوکیٹ نے انجمن کی جانب سے ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں اردو زبان کے ساتھ مسلسل کی جانے والی بے انصافیوں اور ان کے نتیجہ میں اردو داں طبقہ کی بے چینی کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی گئی ۔ دہلی میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیے جانے اور پارلیمنٹ میں اردو کے سلسلہ میں حالیہ دستخطی مہم سے موصوفہ کی غیر معمولی دلچسپی اور مخلصانہ ہمدردی پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی گئی کہ وہ اسی طرح اس مظلوم زبان کی حمایت میں اس وقت تک آواز بلند کرتی رہیں گی جب تک ان بے انصافیوں اور حق تلفیوں کا خاتمہ نہ ہو جائے اور اردو کو اس کا جائز اور صحیح مقام مل جائے ۔ سپاسنامہ کے جواب میں مسز پنڈت نے مختصر سی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ حضرات کی بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھ سے ملاقات کی زحمت اٹھائی آپ نے جس مسئلہ کی طرف مجھے متوجہ کیا ہے ذاتی طور پر مجھے اس سے بہت دلچسپی ہے میں اتر پردیش کی رہنے والی ہوں جہاں اردو پیدا ہوئی اور پروان چڑھی آج بھی وہاں گھروں میں اردو بولی جاتی ہے ۔ اس کی حق تلفی سے مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہوتا ہے جتنا کسی اور اردو والے کو ۔ میں جو کچھ یہاں عرض کر رہی ہوں وہاں بھی وہی کہوں گی ۔ میں کسی بھی ناانصافی اور حق تلفی کے خلاف آواز اٹھانے سے نہیں ڈروں گی کیوں ؟

بلا شبہ راشٹر بھاشا ہندی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ملک کی دوسری زبانیں اس سے کم درجہ کی ہیں ۔ آخر میں موصوفہ نے سپاسنامہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وفد کو یقین دلایا کہ آپ اردو کو اس کا حق دلانے کی کسی بھی ممکنہ صورت سے دریغ نہ کریں گی ۔ (الجمعیۃ)

اب رہا یہ سوال ـــــ

صدیقی بک ڈپو کو اصل خط کہاں سے ملا ـ ؟

اگرچہ اس کے جواب کی براہ راست کوئی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے ـ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر اقبال کے خط کی یہ عبارت اس ایڈیشن میں ضرور ہوگی جو ۱۹۲۶ء میں مرزا محمد جواد کے اہتمام سے "نظامی پریس لکھنؤ" میں چھپا تھا ـ ؟ اور اگر یہ عبارت اس ایڈیشن میں نہ بھی ہو تب بھی اس کی کوئی ذمہ داری "صدیقی بکڈپو" کے سر عائد نہیں ہوتی کیونکہ ڈاکٹر اقبال کے اس خط کو عزیز کے ایک مشہور شاگرد "چودھری رحم علی الہاشمی" نے اپنے پیش لفظ میں پیش کیا ہے ہاشمی صاحب کا جو ابتدائیہ "گلکدہ" کے اس ایڈیشن (شایع کردہ صدیقی بکڈپو) میں شایع ہوا ہے اس میں صفحات ۵ لغایۃ ۴ پر "اقتباس آرا" کے تحت صرف ڈاکٹر اقبال کے متذکرہ خط کی عبارت ہی نقل نہیں کی گئی ہے بلکہ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن علامہ شیخ فدا حسین ـ علامہ آغا سید احمد استرآبادی ـ مفتی محمد علی ـ اکبر الہ آبادی ـ مولانا ابوالکلام آزاد مولانا عبدالحلیم شرر ـ لسان القوم صفی لکھنوی، مولانا عبدالماجد دریابادی ـ مرزا رسوا ـ پروفیسر ناصری ـ مرزا ثاقب لکھنوی ـ علامہ نجوی لکھنوی، مولوی عبدالحق اور دل شاہجہانپوری کی قیمتی رائیں بھی نقل کی گئی ہیں ـ اس لیے یہ سوال ہاشمی صاحب سے تعلق رکھتا ہے جو بحمداللہ بقید حیات ہیں اور دہلی میں رہتے ہیں ـــ

اب رہا یہ سوال کہ "گلکدہ" کا جو ایڈیشن صدیقی بکڈپو نے شایع کیا وہ "عزیز کی وفات (۲۶ ـ جولائی ۱۹۳۵ء) کے بعد شایع ہوا" ؟ قطعاً غلط ہے اس سلسلے میں میں نے مولوی محمد صدیق مالک صدیقی بکڈپو لکھنؤ سے رجوع کیا تھا ان کا جواب درج ذیل ہے ـ

صدیقی بکڈپو لکھنؤ ۲۲-۳-۶۵

کرمی ـــ تسلیم

"آج آغا اشہر صاحب تشریف لائے ـ سے وہ "گلکدہ عزیز" کا نسخہ لاحظہ فرماگئے ـ سنہ طبع ۱۹۳۱ء ہے ـ "

باقی تفصیلات ہمارے بس کی بات نہیں ـ

فقط والسلام

صدیقی

پتہ: نادم صاحب سیتاپوری ـ محلہ قضیارہ ـ سیتاپور (یوپی)

بظاہر مولوی محمد صدیق کے اس جواب کے بعد بحث ختم ہو جاتی ہے کہ "گلکدہ عزیز" کا جو ایڈیشن صدیقی بکڈپو لکھنؤ نے شایع کیا تھا وہ عزیز کی وفات کے بعد نہیں زندگی ہی میں شایع ہوا تھا پھر بھی "گلکدہ عزیز" کی ترتیب اور مختلف ایڈیشنوں کی وہ تفصیلات باقی رہ جاتی ہیں جو کسی وقت بھی براہ راست یا بالواسطہ موضوع بحث بن سکتی ہیں ـ ؟

اور یہ خوش قسمتی ہے کہ ان تفصیلات کے متعلق ایک "شاہد عینی" کی حیثیت سے حضرت مولانا اشہر کی سی گرانمایہ ہستی ہم میں موجود ہے پھر حسن اتفاق یہ کہ وہ مستقلاً سیتاپور ہی میں قیام فرما ہیں ـ

مولانا اشہر لکھنؤ کے "باقیات صالحات" میں ایک بلند و ارفع مقام رکھتے ہیں بلکہ ان چند گنے چنے افراد میں بھی ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں جنھیں گزشتہ لکھنؤ کی زندہ تاریخ کہنا نامناسب نہ ہوگا ـ انھوں نے تقریباً نصف صدی سے زیادہ لکھنؤ کی علمی ـ ادبی اور شعری صحبتوں میں صفی ـ ثاقب ـ عزیز ـ محشر ظریف ـ یگن صاحب یلیغ ـ کلیم متے آغا آفتاب ـ کلیم منے آغا فاضل اور حکیم علی محسن خان ابر (ایڈیٹر طبعیار) کے دوش بدوش حصہ لیا ہے ـ اور عزیز سے تو ان کے اتنے گہرے تعلقات اور یگانگت تھی کہ جب بھی عزیز کسی ادبی معرکے کی زد میں آگئے ـ اشہر ہی کو پکارا ! اور یہی ان کی طرف سے سینہ سپر نظر آئے ! (باقی آئندہ)

۱؎ آج صدیقی بکڈپو کا شایع کردہ ایڈیشن بھی دیکھنے کو مل گیا اور مولوی محمد صدیق صاحب سے گفتگو کا موقع بھی ملا ـ صدیقی صاحب نے بیان کیا کہ یہ ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں ہم نے عزیز صاحب کی اجازت سے شایع کیا تھا ـ اور یہ ایڈیشن گلکدہ کا تیسرا ایڈیشن ہے ـ

اس ایڈیشن پر جو سرورق اب لگایا گیا ہے اس کے آخر صفحہ پر ۱۹۳۶ء (بقیہ کالم ۲ پر)

(کالم اسے آگے) ـ ہوا ہے اور یہ عبارت بھی حاشیہ پر چھپی ہے ـ

"صرف نامیشنل انڈیا یونائٹیڈ پریس نیا گاؤں لکھنؤ میں باہتمام سید توسل حسین منیجر ہوا" ـــــ لیکن اندرونی سرورق پر یہ عبارت ہے ـ

۱۹۳۱ء

منیجر صدیقی بکڈپو لکھنؤ نے شایع کیا

بار سوم دو ہزار جلد ـــــــ قیمت ـــ ۲ ر

اندرونی صفحات سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ دیوان ۱۹۳۱ء میں کس مطبع میں چھپا تھا ـ صدیقی صاحب کا بیان یہ ہے کہ یہ دیوان اشاعت العلوم پریس فرنگی محل لکھنؤ میں چھپوایا گیا تھا اور پریس کا نام سرورق پر تھا ـ جو دیمک لگنے کی وجہ سے برباد ہوگئے اس لیے دوسرا سرورق ۱۹۳۶ء میں یونائٹیڈ پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دیوان پر لگوانا پڑا ـ یعنی صرف سرورق ۱۹۳۶ء کو چھپا ہوا ہے ـ

مراسلات

اقبال کا مرتب کردہ "اردو کورس"

اقبال کی "پرائمری اردو ریڈروں" کا قصہ ابھی پہلے بھی نہ پایا تھا کہ ختم ہوگیا۔ وار اوچھا پڑا۔ تیر نشانے پر نہ بیٹھا تھا۔ سدرشن کے ساتھ مل کر جن ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب نے کام کیا تھا وہ دوسرے بزرگ نکل آئے۔ نادم سیتاپوری صاحب [illegible] نام سے دھوکا کھا گئے مگر اس میں بھی خیر کا پہلو نکل ہی آیا، طبیعت تحقیق کی جانب مائل ہوئی اور ڈھونڈنے والے کو نئی دنیا مل گئی۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں اقبال نے ایک کتاب "تاریخ ہند" لکھی تھی جو مڈل کی جماعتوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ اس کتاب کا خلاصہ امرتسر کے ایک ناشر نے شائع کیا تھا جو ممتاز حسن صاحب کے کتب خانے میں اب بھی محفوظ ہے۔ اصل کتاب نایاب ہے (دیکھو "روزگار فقیر" حصہ دوم صفحہ ۶۴)

مجلہ اقبال ریویو کراچی کے سابق مدیر معاون خورشید احمد صاحب کے پاس گلاب چند کپور اینڈ سنز بک سیلرز و پبلشرز انارکلی لاہور کا شائع کیا ہوا "اردو کورس" کا ایک نسخہ موجود ہے جو ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا اور حکیم محمد شجاع بی۔ اے (علیگ) نے ساتویں جماعت کے لیے سنہ ۱۹۲۴ء میں مرتب کیا تھا۔ ۱۶۲ صفحات کی اس کتاب میں دیباچے کے علاوہ ۳۶ مضامین نظم و نثر ہیں اور آخر میں لفظوں کا فرہنگ ہے جس میں مشکل الفاظ کے معانی دیے گئے ہیں۔

دیباچہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں نہایت اختصار کے ساتھ عہد حاضر کے مطالبات پورا کرنے والی درسی کتب کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور وہ اصول بیان کیے گئے ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر کتاب مرتب کی گئی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"سلسلۂ ادبیہ کی ترتیب میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ پرانے اساتذۂ فن کے نتائج فکر کے ساتھ ساتھ زمانۂ حال کے ان انشاپردازوں اور شاعروں کے مضامین نظم و نثر بھی طالب علم کی نظر سے گزریں جنھوں نے اردو کو ایک ایسی زبان بنانے کے لیے ان تھک اور کامیاب کوششیں کی ہیں جو موجودہ ضروریات کے مطابق اور ادائے مطالب پر قادر ہو۔"

"مضامین کے انتخاب کے تنوع کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مضمون ادبی خوبیاں رکھنے کے باوجود نئی معلومات کا حامل ہو۔" صفحہ ۲

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"حقیقت میں ادبیات کی تعلیم کا یہی مقصد ہونا چاہیے کہ ادبی ذوق کی تربیت کے ساتھ ساتھ طلبا کی وسیع النظری اور ان کے دل و دماغ کی جامعیت بھی نشوونما پائے۔"

"مضامین زیادہ تر ایسے ہی منتخب کیے گئے ہیں جن میں زندگی کا روشن پہلو جھلکتا ہو تاکہ طلبہ [illegible] ان کے مطالعے کے بعد کشمکش حیات میں زیادہ استقلال، زیادہ خودداری اور زیادہ اعتماد سے حصہ لے سکیں۔"

"اخلاقی مضامین کے انتخاب میں اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اسلوب بیان ایسا ہو جو طالب علم کو کمزور اور بزدل بنانے کی بجائے نیک اور بہادر بنائے۔"

"طلبہ کے دلوں میں اخلاق حسنہ اور علم و ادب کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کی محبت کا پاک جذبہ موجزن ہو۔"

"درسی کتابوں پر بالعموم متانت کا رنگ اس قدر غالب ہوتا ہے کہ طالب علم ان میں زیادہ دلچسپی نہیں لے سکتے۔ اس نقص کو دور کرنے کے لیے اس سلسلہ میں ظریفانہ مضامین نظم و نثر کی چاشنی بھی شامل کر دی گئی ہے کیونکہ نوعمر بچوں کے دل و دماغ تک دلچسپ پیرایۂ اظہار کی وساطت ہی سے رسائی ممکن ہے۔"

صفحہ ۲-۳

مندرجہ بالا اصولوں پر مرتب کی گئی اس کتاب میں اٹھارہ نظمیں ہیں اور اٹھارہ نثر کے مضامین۔ لکھنے والوں میں ڈاکٹر اقبال، خواجہ حسن نظامی، شیخ عبدالقادر، مولوی نذیر احمد، اکبر الہ آبادی، مولوی ظفر علی خاں، پنڈت رتن ناتھ سرشار، تلوک چند محروم، مولانا محمد حسین آزاد، جوش ملیح آبادی، مولوی سعید احمد مارہروی، اور منشی پریم چند قابل ذکر ہیں۔

آغاز ایک نظم "وقت سحر" سے ہوتا ہے ۔

جاگو نیند کے اے متوالو لطف سحر کو کھونے والو

بادِ سحر کے جھونکے آئے نکہت تر کے جھونکے آئے
وجد میں ہیں سب آنے جانے حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے
گلشن میں جو نہر ہے جاری کرتی ہے سجدہ خالقِ باری
گویا یادِ خدا ہے سبزہ سر بسجود پڑا ہے سبزہ
جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے وقتِ نماز و دعا کی گھڑی ہے
نیند سے پیاری یادِ خدا ہے
یادِ خدا میں جن کو مزا ہے

دوسری نظم کا عنوان "خدا کی نعمتیں" ہے اس میں خالق کی مختلف نعمتوں کے شکر کی ترغیب یوں دی گئی ہے:

صحت میں تری کچھ حرج نہیں اعضا میں تمہارے نقص نہیں
پھر بھی یہ شکایت ہے تجھ کو اسباب نہیں سامان نہیں
انسان خدا کا منکر ہے اللہ پہ اطمینان نہیں
تو حرص و ہوا کا بندہ ہے مضبوط ترا ایمان نہیں
دنیا کی حکومت تیری ہے اپنے کو گدا کیوں کہتا ہے
سامانِ فراغت حاضر ہیں بیکار پریشاں رہتا ہے
یہ ابر یہ وادی یہ گلشن، یہ کوہ و بیاباں یہ صحرا
یہ پھول یہ کلیاں یہ سبزہ، یہ موسمِ گل یہ سرد ہوا
یہ شام کی دلکش تفریحیں، یہ رات کا گہرا سناٹا
یہ پچھلے پہر کی رنگینی، یہ نورِ سحر یہ موجِ صبا
معبود کی کس کس بخشش کو منکر ہے کا چھپائے جائے گا
اللہ کی کس کس نعمت کو اے منکرِ دیں جھٹلائے گا

کلاسیکی ادب میں سے مولوی نذیر احمد کی "کلیم کی سرگذشت" میر امن کی "ایثار" اور سیر بافرنگی داستان گو کا "سرائے کا نقشہ برسات میں" دیا گیا ہے۔ تو جدید ادب سے تراجم ہیں مثلاً شیخ عبدالقادر نے ایک فرانسیسی کہانی کا ترجمہ "ایک وکیل اور اس کا بیٹا" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ پھر جدید طرز پر لکھنے والوں میں مولانا ظفر علی خاں، جوش ملیح آبادی اور منشی پریم چند کی نگارشات شامل ہیں۔ ادب، زندگی، اخلاق اور مقصدیت کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) "اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے" منشی تلوک چند محروم کی نظم ہے جس میں کہا گیا ہے۔

زندہ نہیں رہے گا آخر کبھی مرے گا
مرنے کے بعد اپنے پھر کچھ نہ کر سکے گا
پوچھیں گے جب فرشتے تو کیا جواب دے گا
اس وقت دستِ حسرت افسوس سے ملے گا
جو کچھ ہو کام کرنا دنیا میں وہ کیے جا
اس ہاتھ سے دیے جا اس ہاتھ سے لیے جا

(۲) ہمت اور اولوالعزمی پیدا کرنے کے لیے شیر شاہ سوری کی زندگی اور حضرت زینبؓ کی استقامت کا حال بیان کیا گیا ہے۔ نظم "زندگی" میں بھی یہی جذبات ابھارے گئے ہیں۔ شیر شاہ سوری اور رام شاستری کے مضامین میں عدل و انصاف کی تعلیم دی گئی ہے۔ پھر خیرات، حسنِ سلوک، خدمتِ خلق، باپ کی اطاعت، بیوی کی وفاداری کی بڑی اچھی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

مشقی سوالات کے ذریعے بھی طالب علم کے ذہن پر انہی نقوش کو مرتسم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مطلوب ہیں۔

یہ اس کتاب کا مختصر سا تعارف ہے۔ تفصیل کے لیے اقبال ریویو کراچی بابت جولائی سنہ ۱۹۶۱ء ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔

اس "اردو کورس" کے مطالعہ سے اقبال کے تعلیمی تصورات کو سمجھنے میں خاصی مدد ملتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کی تمام چیزیں روشنی میں لائی جائیں۔

(محمد عبداللہ قریشی مدیر ادبی دنیا۔ لاہور)

اردو دوست متوجہ ہوں

بزمِ ادب شاخ انجمن ترقی اردو ہند، سمری بختیار پور (مونگیر۔ بہار) کی ایک طے شدہ تجویز کے مطابق اردو کے سلسلہ میں اکثریت کے دل و دماغ پر جو کدورت چھائی ہوئی ہے، اسے دور کرنے کے لیے اور اکثریتی طبقہ میں سلجھے ہوئے ذہن و فکر کی ایک نئی نسل تیار کرنے کے لیے غیر مسلم مورخ، مبلغ، مفکر، سیاست دان، ادیب و شعراء کے گراں قدر بیانات اور دوسری زبانوں کے اخبار کے اداریوں کو یکجا کر کے ہندی میں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔

مواد کی فراہمی کے لیے ہمدردانِ اردو سے پرزور گزارش ہے حسبِ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

(غلام حسین ہاشمی جنرل سکریٹری)

بزمِ ادب
مقام پوسٹ: سمری بختیار پور۔
ضلع۔ مونگیر (بہار)

رضیہ سجاد ظہیر اور سندھی ادیبہ اوستھی چندرانی کا خیر مقدم

حیدرآباد - ۲۹ اپریل - اردو مجلس کی جانب سے کل شام اردو ہال حمایت نگر میں آل انڈیا ویمنس رائٹرز کانفرنس میں شرکت کرنے والی خاتون ادیبوں کا خیر مقدم کیا گیا۔ مسز زینت ساجدہ نے صدارت کی۔ سندھی زبان کی ادیبہ اوستھی چندرانی نے سندھی زبان کے مسائل پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ سندھی زبان، اردو زبان سے ملتی جلتی ہے اور اس کا رسم الخط بھی اردو سے ملتا ہے۔ برطانوی سامراج سے ملک کو آزاد کرانے میں سندھی زبان نے بھی اپنا حصہ ادا کیا۔ سندھی زبان کے ادیبوں اور شاعروں نے روح پرور مضامین اور نظمیں لکھیں اور عوام میں تحریک آزادی کے جوش کو بھڑکایا لیکن ملک کی آزادی کے بعد نہ تو پاکستان میں سندھی زبان کو کوئی مقام دیا گیا اور نہ ہندوستان میں ملک کی مسلمہ زبانوں میں اس کو شامل کیا گیا۔ سندھی ادیبوں نے سندھی زبان کو دوسرے ادب سے مالا مال کیا ہے اور دوسری زبانوں کا ادب، سندھی میں منتقل کیا جا رہا ہے جس میں اردو ادب بھی شامل ہے۔ سندھی خاتون شاعرہ پوپٹی ہیرانندانی نے "سسی پنوں" کے زیر عنوان ایک تاثر انگیز نظم سنائی۔ محترمہ رضیہ سجاد ظہیر نے افسانچے اور افسانے سنائے جسے بے حد پسند کیا گیا۔

پروفیسر آغا حیدر حسن نے زینت ساجدہ کی درخواست پر تقریر کرتے ہوئے دلچسپ ریمارک کیے۔ انھوں نے سندھی ادیبہ اوستھی چندرانی کی سندھی زبان کے بارے میں تقریر کو سراہا۔ خاتون ادیبوں کا تعارف کروایا۔ مقامی خاتون شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ یہ محفل رات کے سوا نو بجے اختتام کو پہونچی۔

(فاطمہ عالم علی سکریٹری اردو مجلس)

انجمن تعمیر اردو دلی کی دو ادبی نشستیں

انجمن تعمیر اردو کی ایک ہفتہ وار ادبی نشست ۹ مئی کو اردو ناہال میں منعقد ہوئی۔ عزیز وارثی صاحب نے صدارت کی۔ شعراء کے کلام کے بعد جناب سحر عشق آبادی صاحب کی انجمن تعمیر اردو ہی کی ایک پہلی نشست میں کی گئی "عروض و فن کے بعض نکات" کے موضوع پر ایک تقریر کے سلسلے میں جناب رشید حسن خاں صاحب نے ایک جامع تقریر کی۔ دونوں حضرات نے معائب و محاسن سخن، اوزان و بحور، عروض و فن اور علم قافیہ پر نہایت علمی معلومات سے مستفید کیا۔

دوسری ادبی نشست ۱۶ مئی کو منعقد ہوئی۔ شفیق احمد صاحب دہلوی نے صدارت فرمائی۔ بیرونی و مقامی شعراء کے کلام کے بعد طاہر حسین فاروقی دیوبندی نے مولانا انور صابری کی شخصیت پر ایک مختصر مضمون پڑھا۔

بعد ازاں گلزار دہلوی نے ایک مضمون بعنوان "نقوش منزل" آل پارٹی اردو علاقائی زبان کمیٹی کے تحت ۱ و ۲ مئی کو دلی میں منعقدہ "اردو کنونشن" کے جملہ اجلاس کی رپورٹ اور تبصرہ سنایا۔

(گلزار دہلوی سکریٹری)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بھیونڈی کا الحاق ہو گیا

مہاراشٹر کے اردو دوستوں کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بھیونڈی ضلع تھانہ کا باقاعدہ الحاق ریاستی شاخ مہاراشٹر سے ہوگیا۔ بھیونڈی کے اردو دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بھیونڈی کے ممبر بن کر اردو کے مقاصد کو تقویت پہونچائیں۔

رکن سازی کے فارم حاصل کرنے کا پتہ:۔ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بھیونڈی ضلع تھانہ۔

(م۔ی۔ بھکری شعبہ نشر و اشاعت انجمن ترقی اردو (ہند)، مہاراشٹر)

پانچ اردو ٹیچروں کی برطرفی

اخبار قومی آواز لکھنؤ کے دو قریبی اشاعتوں میں ضلع فیض آباد کے دو بہی خواہان اردو کے بیان سے معلوم ہوا کہ ضلع مذکور میں ۸ر فروری ۱۹۶۵ء کو پانچ اردو ٹیچروں کو برطرف کر دیا گیا اور ان اداروں میں اردو کی تعلیم بند کر دی گئی۔ وہاں کے ذمہ داروں کو دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ اردو ٹیچر صاحبان چونکہ ٹرینڈ نہ تھے اس لیے علیحدہ کر دئے گئے۔

جن اساتذہ نے عارضی تقرر کی حیثیت سے ۲۸ فروری ۱۹۶۵ء تک کام کیا تھا وہ مئی ۱۹۶۵ء تک بھی کام کر سکتے تھے۔ اس میں کوئی قانونی رکاوٹ نہ تھی۔ اس وقت اردو پڑھانے کے لیے جن اساتذہ کا تقرر کیا جاتا ہے وہ سہ لسانی فارمولے کے مطابق ہوتا ہے۔ آئیے محکمہ تعلیم کا تازہ ترین سرکلر ملاحظہ فرمائیں۔ اردو ٹیچری کے لیے کن اسناد کا ہونا ضروری ہے۔

ڈائرکٹر تعلیمات یو۔پی۔ الہ آباد سکنڈری اسکول سکنڈری نمبر ۳۸۳ مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۶۵ء کے سرکلر بنام ڈسٹرکٹ انسپکٹر اسکولز کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ تعلیم نے درجات ۶-۷ اور ۸ میں اردو پڑھانے والے اساتذہ کو تین حیثیتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

(۱) ہائر سکنڈری اسکول کے درجات ۶-۷ اور ۸ کو اردو پڑھانے والے اساتذہ کو ہائی اسکول اردو سے

بجے۔ٹی۔سی۔ اور امتحان منشی یا کامل پاس ہونا چاہیے ایسے اساتذہ کا گریڈ ۵۵ سے ۲۰۰ تک ہے۔

(۲) جونیر ہائی اسکول پرائیویٹ (غالباً وہ انگریزی اسکول جو صرف درجہ ۸ تک ہوں) ایسے اسکولوں میں درجات ۶-۷ اور ۸ کو اردو پڑھانے والے اساتذہ کو ہائی اسکول اردو سے اور بجے۔ٹی۔سی پاس ہونا چاہیے ان کے لیے منشی یا کامل پاس ہونا ضروری نہیں ہے ان کا گریڈ ۵۵ سے ۲۰۰ تک ہے۔

(۳) جونیر ہائی اسکول زیر انتظام لوکل باڈیز (میونسپل بورڈ اور ضلع پریشد) ایسے اسکولوں میں درجات ۶-۷ اور ۸ کو اردو پڑھانے والے اساتذہ کے لیے کسی سند کا ہونا یا ٹرینڈ ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ سرکلر مذکور میں ان کے سامنے کوئی سند نہیں لکھی ہے بلکہ لکھا ہے کہ ٹیچر کو اسپیشلسٹ ہونا چاہیے یعنی اردو کی خصوصی لیاقت ہونی چاہیے ان کا گریڈ ۵۵ سے ۹۰ تک ہے۔ علیحدہ ہونے والے اردو ٹیچروں کو جو غالباً لوکل باڈیز کے اسکولوں میں تھے اپنی ملازمت کے لیے اپیل کرنی چاہیے کیونکہ ان کا ٹرینڈ ہونا ضروری نہیں ہے جامعہ اردو کے ذمہ داروں سے یہ گزارش ہے کہ انھیں بھی اس سرکلر پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کیونکہ جامعہ کے اسناد کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

اردو کے خصوصی ہمدردوں سے یہ عرض ہے کہ اگر یہ سرکلر باقی رہ گیا تو آئندہ سے اردو ٹیچروں کا تقرر نہ ہو سکے گا بلکہ اردو جاننے والے ٹرینڈ ماسٹروں سے اردو کا بھی کام لیا جائے گا پھر بھی اردو کے بیٹے ٹیچر مشکل ہی سے ملیں گے عام بہی خواہان اردو اس پر غور فرمائیں میں نے انجمن ترقی اردو یو۔پی کی کونسل منعقدہ ۱۱ اپریل ۱۹۹۵ء کے لیے بھی ایک نوٹ روانہ کیا ہے

(عبد الحنان مظاہری گورکھپور)

اردو کے حقوق کے تحفظ کیلئے مدھیہ پردیش اسمبلی کے ۶ ممبران اور ۳۰ سرکردہ شہریوں کا میمورنڈم

بھوپال بذریعہ ڈاک۔ مدھیہ پردیش کے ۶ ممبران اسمبلی اور دوسرے ۳۰ سرکردہ صحافیوں، سیاسی و سماجی رہنماؤں نے صوبہ کے گورنر اور وزیر اعلیٰ کو ایک میمورنڈم پیش کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اردو کی عظیم اقلیت جو تعداد کے لحاظ سے ہندوستانی زبانوں میں چھٹے نمبر پر آتی ہے کسی ایک ریاست میں مرکوز نہیں۔ در اصل اردو کا علاقہ وہی ہے جو ہندی کا ہے اس لیے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہندی ریاستوں کی وزارتیں اردو کے حقوق کا بھی تحفظ کریں گی۔

اس میمورنڈم میں جو مطالبات کیے گئے ہیں وہ علمی و ادبی ہیں۔ ان کے تحت سرکار سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ بھوپال میں اردو کی اعلیٰ تعلیم و تحقیق کے لیے ایک اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کرے۔ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہ ایم۔پی شاسن پریشد میں اردو کی نمائندگی نہیں ہے مانگ کی گئی ہے کہ ایم۔پی ساہتیہ اکاڈمی میں اردو کو اس کی جگہ دی جائے۔ میمورنڈم کے دوسرے مطالبات میں صوبہ کے مصنفوں کی مطبوعات پر انعام کی تقسیم نیز سرکاری شعبہ اطلاعات کی طرف سے اردو ماہنامہ نکالنے کو بھی کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اندور، گوالیار یونیورسٹیوں میں اردو شعبہ کا قیام، اندور اور گوالیار کے سرکاری کالجوں میں اردو کلاسز شروع کرنے اور ساگر یونیورسٹی میں کل وقتی اردو لیکچرر کا تقرر بھی مطالبات میں شامل ہے۔

اس میمورنڈم پر دستخط کرنے والوں میں بھوپال کے میونسپل چیرمین جناب عبد الکریم، ایم۔پی کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری شری بال کرشن گپتا، بھوپال ڈی۔بی۔سی کے صدر یونس بھائی، ممبران اسمبلی مولانا عزیز مشرقی، اے۔ ایچ دانی قادر صدیقی، حمید قریشی، محمد شفیع (کانگریس)، خان شاکر علی (کمیونسٹ) انجمن ترقی اردو اور حلقہ ارباب ادب کے نمائندے ایم۔پی کسان سبھا کے سیکریٹری متھرا بابو، اردو ہندی انگریزی روزناموں کے بیشتر مدیران، جمعیۃ العلماء ہند کے سکریٹری مولانا مسعود احمد وغیرہ شامل ہیں۔ یہ میمورنڈم انجمن ترقی اردو کی معرفت پیش کیا گیا ہے۔

(حسنات صدیقی۔ سکریٹری حلقہ ارباب ادب "بھوپال")

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دیگلور ضلع ناندیڑ کا الحاق ہو گیا

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دیگلور ضلع ناندیڑ کا باقاعدہ الحاق ریاستی شاخ مہاراشٹر سے ہو گیا۔ دیگلور کے اردو دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دیگلور کے ممبر بن کر اردو کے مقاصد کو تقویت پہنچائیں۔

رکن سازی کے فارم انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دیگلور ضلع ناندیڑ سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

(محمد یوسف کھتری۔ شعبہ نشر و اشاعت انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر)

یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات آئین میں درج ۱۴ زبانوں میں ہوں گے

نئی دہلی ۱ جون۔ آج کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ ہند یونین میں سرکاری مقاصد کے لیے ہندی کے علاوہ انگریزی زبان کے استعمال کی غرض سے سرکاری زبان قانون میں ترمیم کی جائے اور یہ کہ مرکزی ملازمتوں میں یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات ان تمام زبانوں میں ہوں جنھیں آئین کے آٹھویں گوشوارے میں شامل کیا گیا ہے۔

ورکنگ کمیٹی اصولی طور پر کل ہی رات اس نتیجہ پر پہونچ گئی تھی لیکن آج صبح اس پر مزید ایک گھنٹہ مباحثہ ہوا۔ مرکزی تعلیم منسٹر چھاگلا نے جنھیں میٹنگ میں مدعو کیا گیا تھا۔ زبان کے مسئلہ پر اظہار خیال کیا۔ معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے کہا کہ آئین میں تسلیم شدہ سب ۱۴ زبانوں کا استعمال اتحاد کو اور ہندی زبان کو کمزور کرے گا۔ لیکن بحث کے بعد وہ ورکنگ کمیٹی کی رائے سے متفق ہوگئے۔ ان فیصلوں کی روشنی میں کیبنٹ سب کمیٹی کے ترمیمی بل کے مسودہ میں تبدیلی کرنے کے بعد اسے پارلیمنٹ کے آئندہ اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ایک ترجمان نے بتایا کہ سرکاری مقاصد کے لیے ہندی کے ساتھ انگریزی کے لازمی استعمال کی تخصیص کر دی جائے گی۔ اسے بل میں شامل کیا جائے گا۔ باقی ماندہ مدین قواعد و ضوابط مرتب کرنے والوں کے اختیارات پر چھوڑ دی جائیں گی۔

ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشن نے تمام صوبوں کے لیے یہ لازم بنا دیا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی نصاب میں سہ لسانی فارمولہ کو شامل کریں اور اسے یونیورسٹی اسٹیج تک پھیلانے کے بعد سختی سے اس کا نفاذ کرا سکیں۔

ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشن کا متن درج ذیل ہے

(۱) تمام صوبوں کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اپنے تعلیمی نصاب میں سہ لسانی فارمولہ کو شامل کریں اور اسے یونیورسٹی اسٹیج تک پھیلانے کے بعد سختی سے اس کا نفاذ کریں۔

(۲) یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات انگریزی ہندی اور دیگر ایسی قومی زبانوں میں ہوں جن کی فہرست آئین کے آٹھویں گوشوارہ میں دی گئی ہے ــ اسے تیزی سے عملی جامہ پہنانے کے لیے تمام تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں۔

(۳) یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں انگریزی اور ہندی کے پرچے لازمی ہوں گے اور ان امیدواروں کے معاملے میں جن کا ذریعہ اظہار یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں ہندی ہے آٹھویں گوشوارہ میں درج کسی دیگر زبان کا پرچہ بھی ہوگا۔

(۴) اس مقصد کے حصول کے لیے۔

(ا) ہر صوبہ کی قومی زبان جس قدر جلد ممکن ہوگا۔ نظم و نسق اور تعلیم کی زبان بن جائے گی۔

(ب) ہندی پڑھانے کا معیار اسکولوں میں نیز یونیورسٹی اسٹیج میں رفتہ رفتہ بڑھانا ہوگا۔

(ج) انگریزی برابر ایسی زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی رہے گی جسے اہم رول ادا کرنا ہے۔

(۵) ہندی کی ترقی اور اس کے بتدریج استعمال کے لیے ایک مرحلہ وار پروگرام تیار کر کے اس پر عمل کیا جائے گا تاکہ وہ موثر طور پر یونین کی سرکاری زبان کی حیثیت اور ملک میں رابطہ کی زبان کی حیثیت سے کام دے سکے

(۶) دیگر قومی زبانوں کی ترقی کا پروگرام بھی تیار کر کے اسے جامۂ عمل پہنایا جائے گا۔ (سیاست جدید)

نہرو برسی پر ایک ادبی اجتماع

۲۷ مئی ۱۹۶۵ء کو ادارہ بزم ادب، جھنجھنوں میں آنجہانی شری جواہر لال نہرو کی برسی منائی گئی جس میں قصبہ جھنجھنوں کے سبھی عمائدین اور ادیبوں نے شرکت کی اور اپنے رہنمائے ملک و قوم کی روح کو خراج عقیدت پیش کیا۔ (سعد احمد)

نہرو برسی پر مشاعرہ

برنالہ۔ گذشتہ شب انجمن ترقی اردو کی جانب سے مرحوم وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو کو ان کی پہلی برسی پر منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

مقامی شعراء کے علاوہ پٹیالہ سے جناب ساغر شفائی، بھیش پٹیالوی اور نابھہ سے جناب کنور چوہان، مادھو رام سرشار، پرسرام شوق تشریف لائے تھے۔ صدارت کے فرائض نابھہ کے جرنلسٹ جناب اوتار سنگھ آنند نے اور اسٹیج سکریٹری کے فرائض مقامی انجمن کے سکریٹری مہر چند کوثر نے انجام دئے۔ شعرائے پنڈت جواہر لال نہرو کی یاد میں اپنی بہترین نظمیں پڑھیں۔ جن میں پنڈت نہرو کی عظیم شخصیت اور کارناموں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ (مہر چند کوثر جنرل سکریٹری)

شہریار

تبصرے

دو خاص نمبر

صلاح الدین نمبر:-

پاکستان میں مولوی عبدالحق کے بعد مولانا صلاح الدین احمد دوسرے شخص تھے جو اردو زبان و ادب کے تحفظ وبقا اور ترقی ونشوونما کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین اور مقصد سمجھتے تھے اور اسی نصب العین اور مقصد کو حاصل کرنے میں پوری زندگی گذار دی۔ انھوں نے جس خلوص، ایمانداری اور لگن سے یہ کام انجام دیا، اس کی داد ان کے دشمن بھی دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کے دشمنوں کی تعداد ایک یا دو سے زیادہ نہیں ہے۔

جدید ادب کے معمار ہوں کہ قدیم ادب کے پرستار مولانا کے سب قائل تھے اور مولانا سب کے رفیق اور دوست۔ بیدی، کرشن چندر، منٹو، عسکری، اختر الایمان، فیض، میراجی وغیرہ کی ابتدائی ادبی کوششوں کو مولانا نے "ادبی دنیا" کے ذریعہ جس وسیع القلبی سے نمایاں کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ نئے ادبی ذہن کی تربیت اور تہذیب میں مولانا اور "ادبی دنیا" کا بڑا اہم رول ہے۔ مولانا کے تنقیدی اور علمی مضامین، ترجموں اور تبصروں کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں ہے لیکن وہ ادبی اعتبار سے اتنے اہم ہیں کہ انھیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کسے معلوم تھا کہ مولانا کا "ادبی دنیا" ایک دن ان ہی کے کارناموں اور شخصیت کے اعتراف کے لیے مخصوص کیا جائے گا۔ اس خاص نمبر میں مولانا کے جن معاصرین، دوستوں، شاگردوں اور اہم سیاسی اور ادبی شخصیتوں کے مضامین، نظمیں، اور پیغامات شامل ہیں، ان میں آغا محمد باقر، ڈاکٹر سید عبداللہ، شاہد احمد دہلوی، علی عباس جلال پوری، غلام رسول، اختر حسین رائے پوری، گوپال متل، وزیر آغا، احتشام حسین، ابن انشا، فیلڈ مارشل ایوب خاں، قدرت اللہ شہاب، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، ناصر کاظمی، جمیل الدین عالی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ۲۰۸ صفحات کا یہ خاص نمبر ایک روپے میں دفتر "ادبی دنیا" مال روڈ لاہور سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تاجور نمبر:-

علامہ تاجور نجیب آبادی مرحوم اردو کے ایک مایۂ ناز ادیب، ایک خوش فکر شاعر اور ایک بلند پایہ صحافی تھے۔ ان کے فن سے فیضیاب ہونے والوں میں اور ان کی شخصیت سے اثر قبول کرنے والوں میں اردو کے (خصوصاً پنجاب کے) بعض بہت اہم ادیب اور شاعر شامل ہیں۔ ان کے دوستوں اور نیاز مندوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ غیر منقسم پنجاب میں انھوں نے اردو زبان و ادب کی ترقی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا "مخزن"، "ادبی دنیا"، "شاہکار"، اور "ہمایوں" کو اردو کی ادبی صحافت کی تاریخ میں جو مقام حاصل ہے اس میں مرحوم تاجور کی ہمہ گیر شخصیت کو بہت دخل ہے۔ کسی ایک شخص میں بیک وقت بہت سی خوبیوں کا جمع ہو جانا ایک معجزے سے کم نہیں ہے اور معجزے روز روز ظہور میں نہیں آتے لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ علامہ تاجور کی اہمیت کا وہ اعتراف نہیں ہوا جس کے وہ ہر طرح سے مستحق تھے۔

ماہنامہ "پیکر" لاہور کے مینجنگ ایڈیٹر ظفر شباب اور مرتب نظر زیدی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان حضرات نے تاجور مرحوم کے ان مضامین نظم و نثر کو یکجا کر دیا جو اب تک ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے، اور ان کے علمی، ادبی اور صحافتی کارناموں پر مشاہیر سے مضامین لکھوائے، ان کی نایاب تصویریں جمع کیں اور ان کی شایان شان، ۲۵۴ صفحات کا یہ خاص نمبر شایع کیا، جس کی قیمت صرف تین روپے ہے جو کسی اعتبار سے بھی زیادہ نہیں ہے۔ یہ نمبر ۹۴۸ سمن آباد لاہور سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس نمبر کے مطالعے سے لاہور کی ادبی زندگی کی بڑی روشن تصویر مل جاتی ہے۔

> "ہماری زبان" کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ۔ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا پبلشر نذر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا